بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

ترجمان القرآن کی پچھلی اشاعت میں تقویٰ پر ہم نے جو مضمون لکھا ہے اس سے یہ بات تو واضح ہو گئی کہ تقویٰ دراصل حدودِ الٰہی کی نگرانی و حفاظت کا نام ہے۔ جو شخص زندگی کے سفر میں، ہر مرحلہ پر، یہ جاننے کی کوشش کرے کہ خدا نے اس کے بڑھنے اور رکنے کے لیے کیا حدود قائم کیے ہیں اور پھر خدا اور روزِ آخرت کے ڈر سے خلوت و جلوت میں ان حدود کی نگرانی کرے اور دیدہ و دانستہ کسی حد کو توڑنے کی جرأت نہ کرے وہ متقی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ بات کس طرح حاصل ہو کہ آدمی اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں، خواہ اس کا تعلق پرائیوٹ زندگی سے ہو یا پبلک سے، مسجد سے ہو یا بازار سے، اخلاق سے ہو یا سیاست سے، اسی طرح اپنے سارے معاملات میں، خواہ ان کا تعلق غریب سے ہو یا امیر سے، دوست سے ہو یا دشمن سے، عزیز سے ہو یا بیگانہ سے، علیٰ ہٰذا القیاس ہر حال میں خواہ غصہ میں ہو یا محبت میں، تنگی میں ہو یا فراخی میں، خدا کے قائم کیے ہوئے حدود کا اس طرح پابند ہو جائے کہ اگر کبھی جہالت سے بال برابر بھی اس کی پابندی میں فرق آ جائے تو ہوش آتے ہی اس وقت تک کے لیے اس پر کھانے اور سونے کی لذت حرام ہو جائے۔ جب تک وہ اپنے غلط سمت میں اٹھائے ہوئے قدم کو واپس نہ لے اور استغفار و توبہ کے ذریعہ سے اصلاحِ مافات نہ کر لے؟ ظاہر ہے کہ یہ سوال نہایت اہم ہے۔ اسی سوال کا صحیح جواب دین کے خزانہ کی اصلی کلید ہے۔ اور اسی سوال کے جواب سے یہ بات واضح ہو گی کہ ہماری خانقاہیں، جو تقویٰ پیدا کرنے کا واحد ذریعہ خیال کی جاتی ہیں، اس مقصد کے لیے کس حد تک مفید ہیں؟

دنیا میں انبیاء علیہم السلام کا گروہ وہ گروہ ہے جس کا مخصوص کام ہی تقویٰ کی دعوت اور اس کی تعلیم ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کو ابتدائے وحی میں حکم ہوا کہ یا ایھا المدثر قم فانذر (اے چادر لپیٹنے والے کھڑا ہو اور لوگوں کو ڈرا) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذمہ پہلے روز جو کام سپرد کیا گیا یہی تھا کہ وہ فرعون کی قوم کو تقویٰ کی دعوت دیں [اذ نادیٰ ربک موسیٰ ان ائت القوم الظالمین، قوم فرعون الا یتقون] (جب کہ تیرے رب نے پکارا موسیٰ کو کہ ظالم قوم کے پاس جاؤ، فرعون کی قوم کے پاس کیا وہ تقویٰ نہیں اختیار کریں گے۔) حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کا ذکر ان الفاظ کے ساتھ ہوا ہے [کذبت قوم نوح المرسلین، اذ قال لھم اخوھم نوح الا تتقون، انی لکم رسول

امین فاتقوا اللہ واطیعون] (نوح کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا، جب کہا ان کے بھائی نوح نے کہ تم تقوی نہیں اختیار کرتے، میں تمہارے لیے ایک امین رسول ہوں پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو) بعینہٖ یہی بات حضرت ہودؑ کی دعوت میں دو مرتبہ، صالحؑ کی دعوت میں دو مرتبہ اور لوط و شعیب علیہم السلام کی دعوت میں دو دو مرتبہ بیان ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تقوی تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت کا بالکل ابتدائی نقطہ ہے۔ ہر نبی جو آتا ہے وہ اپنی قوم کو جس بات کی سب سے پہلے دعوت دیتا ہے وہ یہی ہے کہ اے لوگو تقوی اختیار کرو۔ پس تقوی کی تعلیم کا صحیح طریقہ معلوم کرنے کے لیے یہ دیکھنا چاہیے کہ حضرات انبیائے کرام لوگوں میں کس طرح تقوی پیدا کرتے ہیں۔

ہم نے جہاں تک حضرات انبیاء کے طریقہ تعلیم تقوی کو قرآن مجید سے سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ یہ حضرات اپنے زمانہ کی فسق و فجور سے بھری ہوئی دنیا پر جب نظر ڈالتے ہیں اور انسان کی خدا سے بغاوت و سرکشی اور شہوات نفس کی پیروی میں آزادی و بے قیدی کے اسباب پر غور کرتے ہیں تو اللہ تعالی ان پر یہ حقیقت واضح فرماتا ہے کہ انسان کی ان تمام سرکشیوں اور تعدیوں کی تہ میں تین چیزیں کام کر رہی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ لوگوں میں خدا اور اس کی صفات کا تصور بالکل غلط ہو کے رہ گیا ہے۔ دوسری یہ کہ لوگوں میں اس زندگی کے بعد کسی زندگی کا یا تو سرے سے تصور ہی نہیں ہے اور اگر ہے تو اس تصور میں ایسی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں کہ اس کی گرفت انسان کی عملی زندگی پر بالکل باقی نہیں رہی ہے۔ تیسری یہ کہ لوگوں میں سرے سے اللہ تعالی کے حدود و محارم کا علم ہی مٹ گیا ہے۔ لوگ جانتے ہی نہیں کہ ان کے نفس کی خواہشوں اور ان کی چاہتوں پر کوئی روک بھی ہے۔ پس حضرات انبیائے کرام اپنی ساری قوت ان تینوں چیزوں کی اصلاح پر صرف کرتے ہیں اور جس رفتار سے وہ خدا اور اس کی صفات، آخرت اور اس کے نتائج، احکام الٰہی اور اس کے مصالح لوگوں پر واضح کرتے جاتے ہیں اسی رفتار سے لوگوں میں تقوی پیدا ہونے لگتا ہے یہاں تک کہ جب انبیائے کرام اپنے کام سے فارغ ہو کر دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو اپنے پیچھے متقیوں کا ایک ایسا گروہ چھوڑ جاتے ہیں جو مدتوں تک اس تقوی کی حرارت کو لوگوں میں باقی رکھتا ہے۔

یہاں ہم ان تینوں چیزوں کی کسی قدر تفصیل کر دینا چاہتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ خدا، آخرت اور حدود الٰہی کے علم میں کس طرح کی غلطیاں ہیں جن کی حضرات انبیائے کرام کو اصلاح کرنی پڑتی ہے اور جن کی اصلاح کے بغیر تقوی کا پیدا ہونا ناممکن ہے!

۱۔ پہلی چیز یعنی خدا کے تصور کا جب یہ حضرات اپنے گرد و پیش کی دنیا پر نظر ڈال کر جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یا تو لوگ سرے سے خدا کو مان ہی نہیں رہے ہیں۔ یا مان رہے ہیں تو اس طرح مان رہے کہ اس طرح ماننے اور نہ ماننے میں نتیجہ کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں۔ مثلاً جو لوگ خدا کو مانتے ہیں وہ صرف اس حد تک مانتے ہیں کہ وہ آسمان و زمین کا خالق ہے۔ یہ نہیں مانتے کہ وہی تناسب کا مالک اور حاکم بھی ہے۔ یا یہ تو مانتے ہیں کہ ہر چیز کو وجود اسی نے بخشا ہے لیکن یہ نہیں مانتے کہ وہی تناسب کا محافظ و نگراں بھی ہے۔ ان کے نزدیک اس میں کوئی قباحت نہیں کہ آسمان کے عرش حکومت

پیدا [illegible] ہو اور زمین کا انتظام وہ اپنے دوسرے مقربین کے حوالہ کر کے اس سے بالکل غیر متعلق ہو جائے۔ اسی طرح وہ خدا کو بھی مانتے ہیں اور اس کے ساتھ اس کے دوسرے سیکڑوں شریکوں کو بھی مانتے ہیں جن کو اس کے دربار میں ایسی رسائی اور تقرب حاصل ہے کہ جس کو چاہیں معاف کرا دیں اور جس کو چاہیں سزا دلا دیں۔ اس کی عبادت کا حق ان کے نزدیک اس سے ادا ہو جاتا ہے کہ مخصوص اوقات میں اس کی پوجا کر لی جائے یا اس کو خوش کرنے کے لیے اس کے حضور میں کوئی نذر گذران دی جائے یا کوئی قربانی پیش کر دی جائے۔ اس عبادت کے مقتضیات میں سے نہ تو یہ بات ہے کہ تنہا اسی کی اطاعت اور غلامی کی جائے اور نہ وہ خدا کی صفات کا یہ کوئی لازمی تقاضا سمجھتے کہ وہ خلق کی ہدایت کے لیے کوئی قانون و کتاب اور کوئی نبی و رسول بھیجے اور انسانوں پر اس کی اطاعت لازمی ہو۔ علیٰ ہذا القیاس وہ خدا کو خالق مانتے ہیں لیکن یہ نہیں مانتے کہ وہ مارنے کے بعد دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے۔ یا انسان کے تمام کھلے اور چھپے سے واقف ہے۔ یا اس کے ہر کام میں حکمت ہے یا وہ عادل اور قسط کو قائم کرنے والا ہے یا دوسروں کے خوف و لحاظ اور ان کی مدد و اعانت سے بالکل مستغنی ہے۔ ظاہر ہے کہ خدا کو نہ ماننے والے اور اس طرح ماننے والے نتیجہ کے لحاظ سے، یعنی خدا سے بے خوفی میں، دونوں برابر ہیں۔ پہلا گروہ اس وجہ سے بے پروا ہے کہ وہ خدا کو مان ہی نہیں رہا ہے اور دوسرا اس وجہ سے مستغنی ہے کہ اس نے خدا سے بچنے کے لیے صد ہا راستے پیدا کر لیے ہیں اس وجہ سے انبیائے کرام پہلے گروہ میں خدا کا اعتقاد پیدا کرتے ہیں اور دوسرے گروہ کے عقیدہ کی اصلاح کرتے ہیں کیونکہ جب تک خدا پر سچا اور پکا ایمان نہ ہو اور وہ ایمان شرک کی تمام آلائشوں سے بالکل پاک نہ ہو اس وقت تک خدا سے تقویٰ ایک بالکل بے معنی لفظ ہے۔ جو شخص خدا کو تنہا مالک اور حاکم مان ہی نہیں رہا ہے آخر وہ اس کی اطاعت و بندگی کیوں کرے؟ جو شخص اس کو علیم و خبیر یقین ہی نہیں کر رہا ہے وہ خلوت و جلوت میں اس سے اس طرح ڈرتا کیوں رہے کہ اس کے کسی حکم کی ادنیٰ خلاف ورزی بھی نہ ہونے پائے؟ اور بالفرض وہ پبلک میں کسی مصلحت سے کوئی کھلی ہوئی نافرمانی نہ کرے لیکن آخر تنہائی میں اس کا خوف اپنے اوپر کیوں مسلط رہنے دے؟ جو شخص اس بات پر عقیدہ رکھتا ہی نہیں کہ خدا عادل اور قسط کو قائم کرنے والا ہے وہ ظلم و ناانصافی سے کیوں ڈرے؟ جو شخص اس بات کا قائل ہی نہیں کہ خدا کو ہماری روزمرہ زندگی سے کوئی تعلق ہے، اور اس نے ہماری اس زندگی کو حدود کے اندر پابند رکھنے کے لیے کچھ قوانین اتارے ہیں، آخر وہ خدا سے ہر قدم پر کانپتا کیوں رہے؟ جس شخص کا اس بات پر ایمان ہی نہیں کہ خدا ہی حاکم علی الاطلاق، بادشاہ اور قانون ساز ہے۔ آخر وہ اپنی یا دوسروں کی حکومت اور قانون سازی کو بغاوت کیوں سمجھے؟ اس وجہ سے تقویٰ پیدا کرنے کے لیے سب سے مقدم چیز یہ ہے کہ خدا کی ذات، اس کی صفات اور اس کے حقوق کا صحیح صحیح علم پیدا کیا جائے اس کے بغیر تقویٰ پیدا کرنے کی ساری تدبیریں بالکل اوپری ہوں گی جن سے ممکن ہے خانقاہی قسم کا ایک بالکل غیر متوازن تقشف تو پیدا ہو جائے لیکن وہ تقویٰ ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا جو حدود الٰہی کی کامل محافظت سے عبارت ہے اور جس کو پیدا کرنے کے لیے حضرات انبیائے کرام تشریف لائے تھے۔

---

(۲) دوسری چیز یعنی عقیدۂ آخرت کا، جب انبیائے کرام جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ لوگ یا تو سرے سے موت کے بعد کسی زندگی اور روزِ حساب کے قائل ہی نہیں رہے ہیں اور اگر قائل ہیں تو صرف ایک مفروضہ کے درجہ میں قائل ہیں اور یہ مفروضہ بھی ان کے اندر خدا اور اس کے حدود کا احترام اور خوف پیدا کرنے میں بالکل بے اثر ہے کیونکہ اگر ایک طرف وہ یہ مانتے ہیں کہ اس زندگی کے بعد کوئی اور زندگی ہے جس میں اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی پڑے گی تو دوسری طرف شرکاء و انداد کی شفاعت کے بھی قائل ہیں جن کی نسبت ان کا اعتقاد ہے کہ وہ خدا کے ہاں اس قدر زور و اثر رکھتے ہیں کہ وہ اپنے پرستاروں کو بہرحال خدا سے بخشوا لیں گے۔ دوسرے بعض ایسے ہیں جو اپنے نسب ہی کو اپنی نجات کے لیے بالکل کافی سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ان کے آباء و اجداد خدا کے محبوب تھے اس وجہ سے وہ بھی اللہ کے محبوب اور چہیتے بن گئے ہیں اس وجہ سے اول تو خدا کی جہنم کے وہ سزاوار نہیں اور اگر سزاوار ٹھہرے بھی تو زیادہ سے زیادہ چند دنوں کے لیے۔ بعض دوسرے اس غلط فہمی میں پڑے ہوئے ہیں کہ انسان فطری گنہگار ہے۔ اس کے پاک اور متقی ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انسان کے ساتھ عدل کا معاملہ نہیں کیا ہے بلکہ رحم کا معاملہ کیا ہے اور اس کی نجات کے لیے اس نے اپنے محبوب بیٹے کو بھیجا جو سولی پر چڑھ کر تمام انسانوں کے لیے کفارہ ہو گیا۔ اب انسانوں کی نجات کے لیے کسی پرہیزگاری اور تقویٰ، کسی بندگی و اطاعت کی ضرورت نہیں ہے، صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ لوگ خدا کے بیٹے پر ایمان لائیں۔ جو اس پر ایمان لائیگا وہ نجات پائیگا اگرچہ اس سے ایک نیکی بھی صادر نہ ہوئی ہو اور جو شخص اس پر ایمان نہیں لائے گا وہ نجات سے محروم رہے گا اگرچہ اس سے ایک برائی بھی سرزد نہ ہوئی ہو۔ دوسرے بعض ایسے ہیں جو اگرچہ آخرت کے قائل ہیں لیکن اس کو اس قدر دور سمجھتے ہیں کہ اس کے لیے کسی تقویٰ اور پرہیزگاری کا اہتمام بالکل فضول سمجھتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جو نجات اپنے گروہ کا حق سمجھتے ہیں۔ جو ان کے اندر شامل ہے اس کی نجات ہو گی خواہ اس کے اعمال کچھ ہوں، جو ان سے باہر ہے وہ نجات سے محروم ہے اگرچہ وہ کتنا ہی نیک ہو۔ ظاہر ہے کہ جو شخص آخرت کا سرے سے قائل ہی نہیں ہے اور اپنے آپ کو بالکل غیر مسئول اور مطلق العنان سمجھ رہا ہے اس سے تقویٰ کا مطالبہ بالکل بے معنی ہے اور اگر آخرت کا تو قائل ہے لیکن غلط شفاعت کے چکر میں پڑا ہوا ہے یا نسب کے غرور اور گروہ کی عصبیت میں مبتلا ہے یا خدا کے رحم اور عدل کا تصور اس کے دماغ میں غلط ہو کے رہ گیا ہے تو اس کو بھی تقویٰ کی دعوت دینا بالکل بے معنی ہے۔ ان میں سے ہر وا ہمہ تقویٰ کی جڑ اکھاڑ دینے کے لیے کافی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص ایک ایسی شفاعت کا یقین لیے بیٹھا ہے جو باطل کو حق اور حق کو باطل بنا دے گی اس کو خدا سے ڈرنے کی کیا ضرورت؟ جو شخص اس خبط میں مبتلا ہے کہ اسے جو کچھ حاصل ہے اس کے نسب اور اس کے استحقاق ذاتی کا کرشمہ ہے۔ دنیا میں بھی حاصل ہے اور آخرت میں بھی حاصل رہے گا اسے خدا کی پرسش کی کیا پروا ہو سکتی ہے؟ اسی طرح اگر کسی کے دماغ میں خدا کے رحم کا ایک غلط تصور پیدا ہو گیا ہے اور وہ خدا کے عدل کو اس کے رحم ہی کا منافی سمجھ رہا ہے تو وہ خدا سے ڈرے گا کیوں؟ ایسے لوگوں کے اندر تقویٰ پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کے اندر اول تو عقیدۂ آخرت کو راسخ کیا جائے ثانیاً ان تمام رخنوں کو بند کیا جائے جو اس عقیدے کے تمام اثر کو باطل کر دینے والے ہیں۔ چنانچہ حضرات انبیائے کرام ان لوگوں کو پہلے ایمان بالآخرت کی دعوت دیتے ہیں اور آخرت

قطعی ہونے پر آفاق و انفس سے ایسے دلائل پیش کرتے ہیں جن کا انکار صرف ایک ہٹ دھرم ہی کر سکتا ہے اور ساتھ ہی ان تمام غلط توہمات کی ایک ایک کر کے بیخکنی کرتے ہیں جو انسان میں غلط قسم کی بے پروائی اور جسارت پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً شفاعت کے غلط تصور کی پوری وضاحت کے ساتھ تردید کر دیتے ہیں کہ خدا کے ہاں کوئی آدمی یا فرشتہ بغیر اس کی اجازت کے کسی کی شفاعت نہیں کر سکے گا اور جس کو شفاعت کی اجازت دی جائے گی وہ صرف سچی بات کہہ سکے گا کوئی بات خلاف حقیقت نہ کہے گا۔ اور کوئی شفاعت نہ حق کو باطل کر سکے گی نہ باطل کو حق۔ علیٰ ہذا القیاس نسب و حسب خدا کے یہاں کچھ کام نہ آئے گا وہاں صرف عمل و اطاعت کی پوچھ ہوگی۔ جو لوگ عمل کے لحاظ سے بھرپور ہوں گے وہ خدا کے یہاں اسی لحاظ سے اونچے سے اونچا درجہ پائیں گے اگرچہ نسب و خاندان کے اعتبار سے نیچے درجہ ہی کے گنے جاتے ہوں۔ اور جو لوگ عمل سے خالی ہوں گے وہ خدا کے ہاں محروم و نامراد ہوں گے اگرچہ انھیں حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر ہی کی اولاد میں ہونے کا شرف حاصل ہو۔ نیز وہ یہ حقیقت بھی اچھی طرح واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی کا یہ تقاضا ہے کہ وہ ایک انصاف کا دن لائے جس میں مظلوموں کی دادرسی کرے اور ظالموں کو ان کے کیے کا بدلہ دے۔ اس کی رحمت کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ وہ ظالموں اور سرکشوں کو معاف کر دے۔ اگر وہ ایسا کرے تو نہ وہ عادل ہے نہ رحیم ہے۔

---

(۳) ان دونوں کاموں سے فارغ ہونے کے بعد حضرات انبیائے کرام جب اللہ تعالیٰ کے حدود کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حدود و قوانین شریعت کا بڑا حصہ بالکل مٹ چکا ہے۔ اللہ کا حرام کیا ہوا حلال ہے۔ اس کا حلال کیا ہوا حرام ہے۔ جو بات اس کی نظروں میں مبغوض تھی وہ محبوب بن گئی ہے، جو محبوب تھی مبغوض بن چکی ہے۔ زندگی کے ہر گوشہ میں معروف منکر بن چکا ہے اور منکر نے معروف کی جگہ لے رکھی ہے۔ معاش میں، معیشت میں، عدل میں، سیاست میں، تہذیب میں، معاشرت میں، تعلیم میں، تربیت میں، عادات و اخلاق میں، اٹھنے بیٹھنے میں، چلنے پھرنے میں، ہنسنے بولنے میں ہر جگہ شیطان نے گھس کر انڈے بچے دیدیے ہیں اور سارا نظام زندگی فاطر اور فطرت کے منشا کے بالکل خلاف ہو کے رہ گیا ہے۔ چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندگی کے ایک ایک گوشہ کی چھان بین کرتے ہیں اور ہر گوشہ کو غیر فطری اور غیر الٰہی عادات و رسوم سے بالکل پاک کر کے فطرت اور شریعت کے بالکل مطابق کرتے ہیں۔

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے یہاں تقویٰ پیدا کرنے کا طریقہ یہی ہے۔ آنحضرت صلعم کی بعثت کی زندگی پر ایک سرسری نظر ڈال کر آدمی اس بات کی تصدیق کر سکتا ہے۔ مکی زندگی میں آپ نے جس طرح لوگوں کو تقویٰ کی تعلیم دی مکی سورتوں میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔ ہر آدمی ان سورتوں کو سرسری طور پر پڑھ کر معلوم کر سکتا ہے کہ یہ سرتاسر خدا، اس کی توحید، اس کی صفات حسنیٰ اور آخرت کے دلائل و احوال سے لبریز ہیں۔ اور اتنی قوت و شدت اور اتنی گوناگوں شکلوں میں ان سورتوں کے اندر یہ مطالب بیان ہوئے ہیں کہ جن لوگوں کو اول اول یہ سورتیں سنائی گئیں ان کے لیے اس دعوت سے بے پروا رہنا اور اپنی طفل تسلیوں کے فریب میں بدستور غافل پڑے رہنا ناممکن ہو گیا۔ ان کے لیے صرف دو ہی صورتیں

ممکن رہ گئی تھیں یا تو داعی کی دعوت پر لبیک کہیں اور غفلت کے بستروں کو چھوڑ کر خدا کی طرف بھاگیں یا پھر پوری قوت سے اس پُر اثر دعوت کو دبا دیں جس نے ان کے لیے چین کی نیند حرام کر دی ہے۔ چنانچہ ان سورتوں کے نزول کے بعد پورے عرب میں ایک شخص بھی اسلامی دعوت کے بارہ میں غیر جانبدار نہیں رہ گیا تھا یا تو اس کا جان و دل سے حامی بن کر اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اس کو مٹائے بغیر اس کے لیے خواب و خور حرام تھا یا اتنا شدید حامی کہ سب کچھ گوارا تھا لیکن اگر نہیں گوارا تھی تو یہ بات کہ کوئی قدم بھی تقویٰ کے خلاف اٹھے۔ تقویٰ کا اس درجہ شدید احساس کہ خدا کے حکم کی تعمیل کی راہ میں ہر جوکھم آسان ہو گئی، صرف اس چیز کا نتیجہ تھا کہ خدا اور آخرت کے بارے میں ان کا علم بالکل صاف ہو گیا تھا۔ اتنا صاف کہ اس کے بعد ان کے لیے خدا کی طرف بھاگ کھڑے ہونے کے سوا کوئی صورت باقی ہی نہیں رہ گئی تھی۔ وہ جس جنت الحمقاء میں اب تک پڑے سو رہے تھے، انھیں دفعۃً نظر آیا کہ اس کے گوشہ گوشہ میں آگ لگ چکی ہے اب اگر جان بچانے کی کوئی شکل ہے تو صرف یہی کہ جس دروازہ پر پیغمبر کھڑا بلا رہا ہے اس کا رخ کیا جائے۔ جو لوگ بظاہر مخالفت پر کمربستہ تھے ان کی مخالفت بھی ان گھبرائے ہوئے اور بدحواس لوگوں کی دوڑ دھوپ کے مانند تھی جو آگ کے خطرہ سے تو بچنا چاہتے ہوں لیکن نجات کے جس راستہ کی طرف نبی دعوت دے رہا ہو اس کی طرف جانے سے اس وجہ سے گھبراتے ہوں کہ اس راستہ سے ان کو اس بات کی اجازت تو ہے کہ وہ اپنی جانیں بچا لے جائیں لیکن اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ اپنے سارے اثاث البیت کے ساتھ نکل سکیں۔ چونکہ دنیا کی محبت ان پر غالب تھی اس وجہ سے باوجودیکہ حق ان پر واضح تھا لیکن وہ حق کا ساتھ نہ دے سکے۔

اس ساری تفصیل سے دو باتیں واضح ہوئیں۔ پہلی یہ کہ اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت اور آخرت کا صحیح علم آدمی کے اندر وہ بےچینی پیدا کرتا ہے جس سے وہ خدا کی طرف بھاگتا ہے جو تقویٰ کی اصل حقیقت ہے اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور آخرت کا صحیح علم ہی وہ پاسبان ہے جو آدمی کے دل کے اندر بیٹھ کر اس کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ خدا کے احکام و قوانین کی پوری پابندی کرے اور کسی جگہ بھی سرمو اس کے حدود سے تجاوز نہ کرے۔ اگرچہ یہ باتیں بالکل واضح ہیں لیکن قرآن مجید سے یہاں ہم بعض آیتیں نقل کیے دیتے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ تقویٰ کے پیدا ہونے اور باقی رہنے کا انحصار سرتاسر اللہ تعالیٰ کی صفات اور آخرت کے صحیح علم و یقین پر ہے۔

پہلے ہم بعض وہ آیتیں نقل کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ تقویٰ کا پیدا ہونا اللہ تعالیٰ کی صحیح صفات کے علم پر منحصر ہے۔ سورہ بقرہ میں طلاق کے احکام و قوانین کے بیان کے بعد فرمایا:۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (بقرہ۔۲۳۱) اور اللہ سے ڈرو اور جان رکھو کہ اللہ ہر بات کو جاننے والا ہے۔

اس آیت میں تقویٰ کا حکم دینے کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفت علم کی یاددہانی کی گئی ہے۔ کیونکہ خدا کے حدود کی پوری حفاظت وہی کر سکتا ہے جو یہ مانتا ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر بات سے باخبر ہے۔ یہ چیز دو مختلف پہلوؤں سے آدمی کے اندر تقویٰ پیدا کرتی ہے۔ جہاں کہیں انسان کا نفس کسی خیانت یا جسارت پر اکساتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی صفت علم کا تذکر آدمی میں خدا کا

خوف پیدا کرتا ہے اور جہاں کہیں آدمی اللہ تعالیٰ کے حدود کی پابندی کے لیے بازیاں کھیلتا ہے، مصائب جھیلتا ہے، نقصانات گوارا کرتا ہے وہاں یہ یقین کہ اللہ تعالیٰ اس کی ان جاں بازیوں کو دیکھ رہا ہے اس میں اعتماد و قوت پیدا کرتا ہے۔

پھر احکام رضاعت کے ذکر کے بعد فرمایا:-

إِنْ أَرَدتُّمْ أَن تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُم مَّا أَعْطَيْتُم بِالْمَعْرُوفِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (بقرہ ۲۳۳)

اگر تم چاہو کہ اپنے بچوں کو دودھ پلواؤ تو تم پر کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ ادا کرو جو تم نے دیا ہے دستور کے مطابق اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یاد رکھو کہ اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کو دیکھنے والا ہے۔

اس آیت میں، تقویٰ پیدا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے بصیر ہونے کی یاد دہانی کی گئی ہے۔ اس صفت کا علم بھی آدمی میں ان ہی دو پہلوؤں سے تقویٰ پیدا کرتا ہے جن کا ذکر اوپر ہوا۔

وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ

اور چاہیے کہ وہ شخص لکھوائے جس پر حق عاید ہوتا ہے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔

اس آیت میں تقویٰ پیدا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت یعنی اس کے مالک وحاکم ہونے کو یاد دلایا گیا ہے۔

فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ (۲۸۳ - بقرہ)

پس چاہیے کہ جس شخص کے پاس امانت رکھی گئی ہے وہ امانت ادا کرے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے

بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (۷۶ - آل عمران)

ہاں جس نے اپنے عہد کو پورا کیا اور تقویٰ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ متقیوں کو دوست رکھتا ہے۔

اس آیت میں اہل تقویٰ کی حوصلہ افزائی کے لیے اللہ تعالیٰ کی اس صفت کو یاد دلایا گیا ہے کہ وہ متقین سے محبت کرتا ہے۔

يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَن يُكْفَرُوهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ (۱۱۴-۱۱۵ آل عمران)

اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، معروف کا حکم دیتے ہیں، منکر سے روکتے ہیں، بھلائی کے کاموں میں مسابقت کرتے ہیں، وہی لوگ نیکوکاروں میں سے ہیں اور جو بھلائی کے کام وہ کریں گے اس کا انکار نہ کیا جائے گا اور اللہ متقیوں سے باخبر ہے۔

یہاں تقویٰ کے اصلی کام بھی بتا دیے ہیں اور ان کاموں میں جو جوکھم ہے اس کو برداشت کرنے کے لیے جس اعتماد اور قوت کی ضرورت ہے وہ بھی دو لفظوں میں بخش دی کہ اللہ متقین سے باخبر ہے یعنی جو لوگ تقویٰ کی خاطر قربانیاں کریں گے اللہ تعالیٰ ان سے اچھی طرح باخبر ہے ان کی محنتوں کا پورا صلہ دے گا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا

اے لوگو اپنے اس رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور بنایا اسی سے اس کا جوڑا اور پھیلائے ان دونوں سے بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں اور اس اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے طالب مدد ہوتے ہو اور رحم سے بے شک اللہ تم پر نگراں ہے۔

یہاں تقویٰ پیدا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت 'رقیب' کو یاد دلایا ہے یعنی وہ ہر شخص کی اور اس کے ہر قول

وفعل کی نہایت کڑی نگرانی کر رہا ہے۔

وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا (۲۹۔ النساء)

اور اگر تم احسان کروگے اور تقویٰ اختیار کروگے تو اللہ تمھارے اعمال کی خبر رکھنے والا ہے۔

وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

اور ہم نے وصیت کی ان لوگوں کو جن کو کتاب دی گئی تم سے پہلے اور تم کو کہ اللہ سے ڈرو اور اگر تم کفر کروگے تو یاد رکھو کہ اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔

اس آیت میں تقویٰ پیدا کرنے کے لیے اس بات کی یاد دہانی کی گئی ہے کہ آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق)

اور جو اللہ سے ڈرے گا اس کے لیے راہ پیدا کرے گا اور اس کو ایسے سے روزی دے گا جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہوگا۔

تقویٰ پر قائم رہنے کے لیے، بالخصوص ایسے مواقع میں جہاں آدمی کو مالی و معاشی مشکلات کا سامنا ہو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی اس صفت کو یاد دلایا گیا ہے کہ وہ وہاں سے روزی کا سامان کرتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔

اب ان آیات پر غور فرمایئے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ پیدا کرنے اور تقویٰ پر قائم رکھنے کے لیے آخرت کا صحیح علم و یقین اور اس کا تذکر ضروری ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (۲۲۳ بقرہ)

اللہ سے ڈرو اور یاد رکھو کہ تمھیں اس سے ملنا ہے اور مومنین کو خوشخبری دو۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۔۲۰۳

اور اللہ کو یاد کرو گنتی کے چند دنوں میں تو جس نے جلدی کی دو دنوں میں تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جس نے تاخیر کی تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ یہ اس کے لیے ہے جو تقویٰ پر قائم رہے اور تقویٰ اختیار کرو اور یاد رکھو کہ تم خدا کے پاس اکھٹے کیے جاؤگے۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (۲۔ مائدہ)

اور نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو اور حق تلفی اور زیادتی کی باتوں میں تعاون نہ کرو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ شدید پاداش والا ہے۔

فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ

پس کھاؤ اس میں سے جو تمھارے لیے روک رکھیں اور اس پر اللہ کا نام لو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ جلد حساب چکانے والا ہے۔

ان تمام آیات میں تقویٰ کا مطالبہ کیا ہے اور ساتھ ہی یاد دہانی کی ہے کہ "خدا سے ملنا ہے" "اس کے پاس اکھٹے ہونا ہے" "وہ سخت پاداش والا ہے" "جلد حساب چکانے والا ہے" کیونکہ انہی صفات کے یقین اور ان کی یاد داشت سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔

اس ساری تفصیل سے یہ بات واضح کرنی مقصود ہے کہ حضرات انبیائے کرام جن کا اصلی کام ہی لوگوں میں تقویٰ پیدا کرنا تھا، انھوں نے اپنے اپنے زمانوں میں لوگوں کو جس چیز کی دعوت دی وہ تقویٰ ہی تھا کہ لوگ اللہ کے حدود و احکام کے پابند ہو جائیں۔ اس کی نافرمانی و بغاوت سے توبہ کریں۔ نہ اپنی خواہشوں کی پیروی کریں نہ ان لوگوں کے پیچھے چلیں جو اپنی خواہشوں کے پیچھے چلتے ہیں۔ زندگی کے تمام گوشوں میں اس قانون کی پیروی کریں جو اللہ نے اتارا ہے اور اس بات سے ڈرتے رہیں کہ اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی بھی ہے جس میں ہر شخص کو خدا کے سامنے اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی پڑے گی اور ہر شخص کی نیکی یا بدی اس کے سامنے آئے گی۔

اس تقویٰ کو پیدا کرنے کے لیے انھوں نے لوگوں میں اللہ اور روزِ آخرت کا یقین پیدا کیا۔ خدا اور اس کے اسماء و صفات کی تعلیم دی۔ جو منکر تھے ان کے انکار کو توڑا۔ جو متردد تھے ان کے تردد کو دور کیا، جو مشرک تھے ان کے شرک کا ابطال کیا۔ [illegible] کہ جو خدا عرش آسمان پر براجمان تھا العیاذ باللہ زمین کے معاملات کی اسے کوئی خبر تھی، نہ ان سے اس کو کوئی [illegible] وہ سمیع و بصیر، حفیظ و رقیب، اور عزیز و حکیم خدا ہیں کہ آسمان و زمین کے سارے معاملات کی نگرانی کرنے لگا۔ جس خدا [illegible] لوگ صرف یہ سمجھتے تھے کہ اس نے پیدا کیا اور پیدا کر کے اس دنیا کے نیک و بد سے بے تعلق ہو گیا ہے اس کو اس حیثیت سے ماننے لگے کہ وہی تنہا اس کائنات پر ہر آن متصرف ہے۔ اس نے جس طرح لوگوں کو پیدا کیا ہے اور ان کی زندگی کے وسائل مہیا کیے ہیں، اسی طرح ان کی ہدایت کے لیے انبیاء بھی بھیجے ہیں، اور رہنمائی کے لیے قانون بھی نازل کیا ہے اور جس طرح وہ سب کا معبود ہے اسی طرح وہ سب کا رب، مالک، اور بادشاہ بھی ہے۔ اور جس طرح اس نے یہ زندگی بخشی ہے اسی طرح مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا اور اس زندگی کا حساب لے گا اور وہ دن ایسا ہوگا کہ خدا کے عدل سے کوئی چیز نہ بچا سکے گی، نہ کسی کی دوستی، نہ کسی کی سفارش، نہ کسی کا فدیہ اور معاوضہ۔ وہ تنہا مالک ہوگا اور سب مملوک و محکوم ہوں گے وہی بادشاہ ہوگا اور سب تابعدار اور رعیت ہوں گے۔

ان باتوں کو دلوں میں راسخ کرنے کے لیے انھوں نے جو طریقہ اختیار کیا وہ ایک طرف تو کمال درجہ علمی و استدلالی تھا یعنی ہر دعوے کا ثبوت، ہر شبہ کا جواب، ہر اعتراض کی تردید، عقل کی رو سے، تاریخ کے پہلو سے، آفاق کی جہت سے، انفس کی طرف سے، اور دوسری طرف کمال درجہ عملی تھا یعنی توحید، معاد، رسالت کے جو حقائق سامنے آئے اور ان کو جن لوگوں نے قبول کر لیا ان کی ساری زندگی انھی اصولوں پر ڈھل گئی۔ اب ان کی زندگی کا کوئی قول و فعل ان اصولوں سے متناقض نہیں رہ گیا۔ وہ اپنی زندگی کے بڑے سے بڑے مسائل سے لے کر حقیر سے حقیر جزئیات تک میں مومن باللہ، مومن بالآخرت اور مومن بالرسول تھے۔ اگر کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی ان کی زندگی کے اندر ان حقائق سے متناقض ہوتی تو وہ کانٹے کی طرح ان کے دلوں میں کھٹکتی جب تک کہ وہ نکل نہ جاتی۔ اور کوئی معمولی سے معمولی بات بھی اگر ان کے سامنے پیش کی جاتی جو ان اصولوں سے مطابق ہوتی تو وہ اس کو اس طرح لپک کے قبول کرتے گویا وہ ان کی متاع گم شدہ تھی جس کی تلاش میں وہ مدتوں سے سرگرداں تھے۔

ہمارے سامنے بھی ایک دنیا ہے جو فسق و فجور سے بھری ہوئی ہے۔ جس کے افکار و نظریات یکسر باطل اور اعمال و افعال یکسر نفس پرستانہ ہیں۔ خدا پر ایمان یا تو سرے سے موجود ہی نہیں ہے یا موجود ہے تو اس میں صدہا رخنے ہیں۔ آخرت کو لوگ یا تو سرے سے مان ہی نہیں رہے ہیں یا مان رہے ہیں تو اس طرح کہ اس کا ماننا نہ ماننا دونوں برابر ہے۔ اللہ رسول، اور آخرت کا اقرار نہیں بلکہ انکار دین بن چکا ہے اور یہ دین انکار و الحاد اپنی پشت پر نہایت زبردست فلسفہ رکھتا ہے، اس کی ترویج و اشاعت کے لیے بڑے بڑے کالج اور بڑی بڑی یونیورسٹیاں قائم ہیں، نہایت وسیع الاثر پریس ہے، اور پھر سب سے بڑھکر نہایت ہی طاقتور سیاسی اقتدار ہے جو تمام امور دنیا کا مالک، تمام وسائل و ذرائع پر متصرف، تمام نفع و ضرر کا خداوند ہے۔ اس دنیا کے اندر کچھ تھوڑے سے مسلمان بھی جی رہے ہیں جو اس میں شبہ نہیں کہ اللہ کا نام بھی لیتے ہیں، رسول کا دم بھی بھرتے ہیں اور آخرت کا بھی ذکر کرتے ہیں لیکن اس اعتبار سے دونوں برابر ہیں کہ عملی زندگی سے خدا اور رسول کو دونوں نے الگ کر رکھا ہے۔ مسلمان نام تو خدا اور رسول کا ضرور لیتا ہے لیکن کام انہی کے کرتا ہے جو اللہ اور رسول کے باغی ہیں۔ علم انہی کا پڑھتا ہے، فلسفہ انہی کا سیکھتا ہے، تہذیب میں، آداب میں، معاشرت میں تقلید انہی کی کرتا ہے، اپنا مال، اپنا وقت، اپنی قابلیت سب کچھ انہی پر نثار کرتا ہے اور جبراً نہیں بلکہ طوعاً کرتا ہے۔ صرف کرتا ہی نہیں بلکہ اس پر فخر بھی کرتا ہے اور صرف خود ہی نہیں اس فخر کو سمیٹے رکھنا چاہتا بلکہ یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کی آئندہ نسلیں بھی اس فخر میں سے حصہ پائیں۔ یہ خدا کو ماننے کا حق صرف اس طرح ادا کر دیتا ہے کہ مسجد میں اس کی نماز پڑھ دیتا ہے، اس کے نام پر کچھ زکوٰۃ دے دیتا ہے، مہینہ بھر کے روزے رکھ دیتا ہے، باقی اس کے سوا سارے معاملات زندگی میں وہ جس خدا کی بھی اطاعت کرے اس سے اس کے خدا کو کوئی واسطہ نہیں۔ رسول کے ماننے کا حق یہ صرف اسی طرح ادا کرتا ہے کہ نمازوں میں ان کی ذات پر درود بھیجتا ہے، سال میں عید میلاد کے جلسے کر دیتا ہے۔ اگر ان کی شان میں کوئی ادنیٰ گستاخی کسی سے صادر ہو جائے تو اخباروں میں اور جلسوں میں ہنگامے برپا کر دیتا ہے باقی رہی یہ بات کہ زندگی کے تمام شعبوں میں وہی واجب الاطاعت اور انہی کا بتایا ہوا طریقہ واجب الاتباع ہے اور ان کے طریقے کے سوا سارے طریقے فسق اور کفر ہیں، یہ اس کے ایمان بالرسول میں داخل نہیں ہے۔ یہ آخرت کو مانتا ہے لیکن اس اطمینان قلب کے ساتھ مانتا ہے کہ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً — جہنم کی آگ اسے چند دنوں سے زیادہ نہیں چھوئے گی۔ یہ جتنی نافرمانیاں چاہے کرے اور کتنے ہی ٹھنڈے دل سے چاہے کرے، یہاں تک کہ اگر ان نافرمانیوں ہی کو وہ اپنا اور اپنی آل و اولاد کا دین بنا لے اور اسی دین پر وہ اور اس کی نسلیں جئیں اور مریں جب بھی وہ نجات کا معتقد رہے۔ یہ نجات اس کا پیدائشی اور قومی حق ہے۔ یہاں تک کہ کتنے مسلمان ہیں جو شاید اسلام کا نام بھی نہیں جانتے اور دین کے واجبات و فرائض میں سے شاید ایک فرض کو بھی کبھی ادا کرنے کی انھیں توفیق نہیں ہوئی تاہم وہ مسلمان ہیں ——— ایک ایسی دنیا میں اگر آپ تقویٰ کی تعلیم دینا چاہیں تو اس کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

ایک طریقہ تو وہ ہے جو ہماری خانقاہوں نے اختیار کر رکھا ہے۔ اس طریقہ کی تفصیل کا تو یہاں موقع ...

اس کی خصوصیات کو نمایاں کرنے کے لیے چند باتیں ہم یہاں عرض کریں گے۔ اس طریقہ کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ارباب خانقاہ اس بات کے قائل ہیں کہ چاہے وقت کا سیاسی نظام کچھ ہو، خدائی ہو یا شیطانی، آدمی اس کا دل وجان سے مطیع وفرمانبردار اور خدمت گذار رہ کر تقوی حاصل کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ ان کے سکھائے ہوئے طریقہ پر کچھ اعمال ووظائف کا پابند ہو جائے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ لوگ تقویٰ کا یہ مفہوم نہیں سمجھتے کہ آدمی زندگی کے تمام شعبوں میں حدود الٰہی کا پابند ہو بلکہ ان کے یہاں تقویٰ کچھ خاص اعمال ہیں اگر آدمی ان کا پابند ہے تو باقی امور میں اس کا جو حال بھی ہو اس سے اس کے تقوی میں کچھ فرق نہیں پیدا ہوتا۔ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ حضرات، تقویٰ کی تعلیم کے لیے عقل واستدلال کے راستہ کے قائل نہیں ہیں بلکہ توجہ اور صرف قلوب کے قائل ہیں۔ شیخ کا باطنی تصرف ان کے یہاں تقوی پیدا کرنے میں اصلی عامل ہے۔ چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ یہ حضرات تقویٰ پیدا کرنے کے لیے کتاب وسنت کے طریقہ کے پابند نہیں ہیں بلکہ ان کا زیادہ تر اعتماد اپنے اور اپنے ہم پیشہ حضرات کے تجربات پر ہے۔ جو کچھ انھوں نے سینہ بسینہ ورثہ میں پایا ہے یا جو بات ان کے دل میں خطور کر جائے اس کو تقوی پیدا کرنے کے لیے اصلی چیز سمجھتے ہیں۔ پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ ان کے تقوی میں مقدم وموخر کی ترتیب وہی نہیں ہے جو شریعت میں ہے۔ یہ لوگ بعض چیزوں کو بسا اوقات کوئی اہمیت نہیں دیتے جو دین میں نہایت بنیادی اور اصولی حیثیت رکھتی ہیں اور بعض دوسری چیزوں کو جو اصل دین میں بالکل ثانوی درجہ کی چیزیں ہیں اصل الاصول قرار دیدیتے ہیں۔ ہماری بہتر سے بہتر خانقاہ میں تقوی کی تعلیم انہی خصوصیات کے ساتھ جاری ہے۔ اسی پر ان خانقاہوں کو قیاس کر لیجیے جو عام طور پر ہر شہر میں پائی جاتی ہیں اور ہر قسم کی بدعات ولغویات کا مرکز ہیں۔

اس کے بالکل برعکس ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اصلی کارفرما طاقت وقت کا سیاسی نظام ہے جب تک اس کی اساس تقوی پر نہ ہو اس وقت تک لوگوں میں اولاً تو تقوی پیدا ہونا ناممکن ہے اور اگر کسی طرح پیدا ہو جائے تو اس کا قائم رکھنا ناممکن ہے۔ اس وجہ سے ہم سب سے پہلے اس نظام فکر سے پنجہ آزمائی کرنا ضروری سمجھتے ہیں جس پر وقت کا سیاسی نظام قائم ہے۔ اور اس کو توڑ پھوڑ کر ایمان باللہ، ایمان بالرسول اور ایمان بالآخرت کی اساس پر قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اس کام کے لیے ہم نے عقل واستدلال کی راہ اختیار کی ہے اور اس ترتیب کے ساتھ جس پر اللہ کا دین اترا ہے دین کی حجت لوگوں پر قائم کر رہے ہیں۔ جن لوگوں پر توحید، معاد اور رسالت کے صحیح مقتضیات واضح ہوتے جاتے ہیں ان لوگوں کو ہم ایک نظام میں منسلک ہونے کی دعوت دے رہے ہیں تاکہ یہ سب مل کر اس اجتماعی تقوی کی طرف مارچ کریں جو اصلی تقوی ہے اور جس کے لیے جدوجہد کیے بغیر کوئی فرد اپنے تقوی میں کامل نہیں ہو سکتا۔ اس طریقہ میں مقدم وہی ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے مقدم کیا ہے اور موخر وہی ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے موخر کیا ہے۔ ہماری جدوجہد یہ ہے کہ وقت کی عقلیت پر اسلام کے عقائد اور اعمال کی برتری کا ہر پہلو سے اس طرح چھا جائے کہ لوگ اسلام کو وقت کی ساری بیماریوں کا علاج سمجھ کر اس کی طرف بڑھنے

لگیں اور تمام انسانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی اللہ تعالیٰ کے قائم کیے ہوئے حدود کے اندر بسر ہونے لگے۔ ہر شخص اللہ کو حاکم و بادشاہ مانے، ہر شخص اس کے رسول کے طریقہ کو نجات کا طریقہ سمجھے، ہر شخص اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے آگے جوابدہ یقین کرے۔ ہمارے نزدیک تقویٰ پیدا کرنے کا صحیح طریقہ یہی ہے۔ یہی طریقہ ہم نے حضرات انبیائے کرام کی زندگیوں سے سمجھا ہے۔ اور اپنی طاقت کے مطابق اسی پر چل رہے ہیں۔ جو لوگ ہمارے اس طریقہ کو انبیائے کرام کے طریقے کے مطابق پائیں وہ ہمارے اس کام میں ہماری مدد کریں۔ باقی جو لوگ خانقاہی طریقہ کو طریق انبیاء کے موافق پاتے ہیں وہ اس کو اختیار کر سکتے ہیں۔

ایک ضروری گذارش

ہمارے ہاں جو شعبۂ استفسارات قائم ہے اس کا مقصد دراصل یہ ہے کہ جو لوگ تحریک اسلامی کو سمجھنے اور اس کے نصب العین اور طریق کار کے متعلق اپنے شبہات دور کرانے کے لیے مرکز سے خط و کتابت کریں، ان کے خطوط کے جوابات دیے جاتے رہیں، نیز اسلامی نظام حیات کے ان اہم اصولی مسائل کے متعلق لوگوں کو صحیح واقفیت بہم پہنچائی جائے جنھیں بالعموم غلط طریق سے سمجھا سمجھایا جاتا ہے۔ رہے چھوٹے چھوٹے فقہی مسائل تو ان میں سے صرف ایسے مسائل کا جواب یہاں سے دیا جا سکتا ہے جنھیں صحیح اسلامی نظریہ سے عام طور پر حل نہ کیا جا رہا ہو۔

لیکن قارئین ترجمان القرآن اور جماعت اسلامی کے متاثرین کی طرف سے جو خطوط روزانہ ڈاک میں موصول ہوتے ہیں ان کے مطالعہ سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید شعبۂ استفسارات کو کوئی "دار الافتا" سمجھ لیا گیا ہے۔ بس ایک تسلسل سے استفتے پر استفتے چلے آ رہے ہیں جن پر ادنیٰ سے ادنیٰ جزئیات پر سوال کیے جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ مسائل مقامی علماء بلکہ عمومی ائمہ مساجد سے بھی حل کروائے جا سکتے ہیں۔ پھر بعض لوگوں کو سوال کرنے کا جنون ہو گیا ہے کہ ایک ایک خط میں بیس بیس اور تیس تیس سوالات لکھ بھیجتے ہیں، حالانکہ شریعت میں کثرتِ سوال کو ناپسند کیا گیا ہے، کیونکہ یہ پریشان دماغی کی علامت ہے۔

بہرحال ہم اپنے ہر کرمفرما سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ استفسارات بھیجتے وقت حسب ذیل امور کا لحاظ رکھیں۔

(۱) سوالات لکھنے سے پہلے یہ بات ذہن میں تازہ کر لیجیے کہ ہمارے یہاں کوئی اصطلاحی دار الافتا نہیں ہے۔

(۲) پوچھنے کے قابل صرف وہ سوالات ہوتے ہیں جو عملی زندگی میں یا دین حق کی دعوت و تبلیغ کے دوران میں واقعۃً پیش آئیں۔ تصنیف کردہ سوالات لکھ بھیجنا ایک فضول حرکت ہے۔

(۳) سرسری سوالات مقامی اہل علم سے، کسی دار الافتاء سے یا کسی علمی ادارے سے پوچھ لیجیے۔ اس کے بعد اگر کوئی اہم اور اصولی مسئلہ یا کوئی پیچیدہ فقہی جزئیہ حل طلب رہ جائے تو اس کا جواب اول تو جماعت کے لٹریچر اور ترجمان القرآن کے فائل سے دریافت کیجیے۔ لیکن اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو ہمیں لکھیے۔ ایسے ہی سوالات کا جواب دینے کے لیے شعبۂ استفسارات قائم کیا گیا ہے۔

(شعبۂ استفسارات)